مکمل کر گئے۔ ہندوستان مسلمان عقیدہ و عمل کے اس سانچے میں پھر سے ڈھلنے لگا جو سنتِ رسول ﷺ کی اتباع پر مبنی تھا۔ یہی وہ موروثی اساس تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کو فطرت اور ماحول دونوں نے ودیعت کی تھی حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ شاہ ولی اللہ کو بھی اس طرح چومکھیا جنگ کرنا پڑی جس طرح حضرت مجدد صاحب نے لڑی تھی یعنی ہندوازم ایرانی دھرم اور فرنگیت یہ تینوں فکر و عمل کی وادی میں مسلسل للکار رہے تھے اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ہی پھر اللہ نے ہندوستانی مسلمان کا قبلہ درست رکھنے کیلئے شاہ صاحب کی صورت میں ایک ادارہ بخش دیا۔ شاہ صاحب نے اپنے ماورائی علم و فکر سے ایک قدم آگے بڑھایا اور احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تاکہ اُن دشمنوں کی سازشوں سے سر اُٹھانے والے جاٹ مرہٹے سکھ میدانِ جنگ میں شکست کھائیں اور فکری میدان میں تو ہندومت اور رافضیت کو شاہ صاحب اڑنگے پر لا کر پٹخ چکے تھے ان میں اتنی سکت نہ رہی تھی کہ امت کو فکری گمراہیوں کے مدفن پر لا کر اغوا کرلیں۔ شاہ صاحب نے جہاں موروثی عقائد و اعمال کو سنتِ نبوی کے نور سے منور و مربوط کیا وہاں اسلام کی معیشی اساس سے بھی اہلِ اسلام کو روشناس کرایا اور مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ کے رُخ سے دبیز تہیں ہٹائیں قومی شعور بخشا اور اسلام کو "ملاوٹوں" سے پاک کیا۔ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ آج تک اپنی اِمتیازی شان کے ساتھ امت دعوتِ فکر دے رہا ہے۔

فطرت کی حُسنِ ترتیب ملاحظہ ہو کہ جیسے جیسے ملّی تقاضوں کا زور بڑھتا گیا ویسے ویسے اللہ پاک نے اپنے چُنے ہوئے بندے پیدا فرما کے اُمت کی ہچکولے کھاتی کشتی کو کھیون ہارے عطا کیے۔ شاہ ولی اللہ کی محنت کا ثمرہ اقتدار کی صُورت میں تو نہ ملا لیکن امن ضرور قائم ہوا اور مسلمان نشاۃ ثانیہ کے لئے سرگرم عمل ہوئے۔ شاہ صاحب کے اپنے خاندان اور حلقہ درس میں تیار ہونیوالے فکری ستون قائم ہوئے جنہوں نے تنہا اُمتوں کا کام کیا۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، محمد اسحٰق شاہ، اسمٰعیل شہید مفتی صدرالدین مفتی الٰہی بخش مولانا عبدالحئی، مولانا فضل حق خیر آبادی یہ تمام بزرگ شاہ ولی اللہؒ کی وفات سے قبل ولادت پا چکے تھے۔ اکثر نے شاہ صاحب کا زمانہ پایا اور شاہ صاحب کی فکری تعلیم سے اثر پذیر ہوئے اور بعد میں شاہ عبدالعزیز نے انکی فکر راست کو صیقل کر دیا۔ [باقی آئندہ]

پیدائش ۱۷۲۰ وفات ۱۷۸۲

کعبہ کی بیٹی

بابری مسجد ـــــ شہید گنج .... ؟

ہندوستان میں بابری مسجد کے تقدس کو پامال کرنے کے واقعہ کے خلاف فطری ردِ عمل کے طور پر دنیا بھر کے مسلمانوں نے شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے اسکی پُر زور مذمت کی ہے ۔ وزیر اعظم مسز بینظیر بھٹو کی طرف سے بھی اس سلسلہ میں سرکاری طور پر ہندوستان کی حکومت سے شدید احتجاج کیا گیا ہے ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ ماضی میں بھی اس قسم کے قابلِ مذمت کارروائیوں کو کئی بار دہرایا گیا اور ملتِ اسلامیہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی ۔ اندرا گاندھی کے دورِ اقتدار میں کئی مساجد کو آثارِ قدیمہ قرار دیتے ہوئے اُن پر قبضہ کر کے انہیں سرکاری تحویل میں دیدیا گیا اور اب راجیو گاندھی کے عہد حکومت میں بابری مسجد کو مسمار کرنے کی کوشش اور اسکی توھین کا عمل کسی گھناؤنی سازش اور مسلم کُش منصوبہ کا حصّہ دکھائی دیتا ہے اس لئے پوری ملتِ اسلامیہ کو اس ضمن میں بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہیئے

ملک میں مختلف مذہبی و سیاسی جماعتوں کی طرف سے بابری مسجد کے واقعہ پر احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ ہنوز جاری ہے راقم آج ۱۰ ، نومبر ۱۹۸۹ کے اخبارات میں ان مظاہروں کی خبروں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر لنڈا بازار لاہور میں واقع **مسجد شہید گنج** کے بارے میں شائع ہونیوالی اس مختصر خبر پر آکر رُک گئی :

"مسجد شہید گنج لاہور کو واگزار کرانے کیلئے وفاقی شرعی عدالت میں ۱۹ ، نومبر کو سماعت شروع ہوگی۔ وفاقی شرعی عدالت کا فُل بینچ اس دعویٰ کی سماعت لاہور ہائیکورٹ میں کریگا۔ یہ دعویٰ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۱۴ کے تحت سوتر منڈی اندرون لوہاری گیٹ کے ایک شخص **محمد صدیق** نے دائر کر رکھا ہے "

(روزنامہ جنگ لاہور ، ۱۰ نومبر ۱۹۸۹ء)

اس مسجد کے بارے میں سکھوں کا دعویٰ ہے کہ اورنگ زیبؒ کے عہد میں گورنر معین الملک عرف میر منو نے اس مقام پر سکھوں کو قتل کیا تھا۔ یہ اُن کے شہیدوں کی یادگار ہے اور اس نسبت سے گوردوارہ شہید گنج کہلاتی ہے جبکہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ یہ مسجد ہے ۔ تاریخی لحاظ سے مسلمانوں کا دعویٰ بالکل درست ہے کیونکہ اورنگ زیبؒ کے

عہد میں میر منو، پنجاب کے گورنر مقرر ہی نہیں ہوئے۔ میر منو۔ اورنگ زیبؒ کی وفات کے کافی عرصہ بعد احمد شاہؒ کے زمانے میں پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے تھے جبکہ سکھوں نے ۱۷۶۵ء میں میر منوں کے مقبرے اور اس مسجد پر قبضہ کر لیا۔

بہرنوع مذکورہ بالا خبر کے مطالعہ کے ساتھ ہی جولائی ۱۹۳۵ء کا زمانہ میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا جب اس مسجد کو سکھوں سے واگذار کرانے کی تحریک زوروں پر تھی اور پھر مسجد کے حصول کیلئے قانونی جنگ اور عوامی تحریک کی فلم میری آنکھوں کے سامنے چلتی رہی۔ تحریک کے قائدین کا کردار اور عوام کی قربانیوں کی یاد کافی دیر تک رلاتی رہی کہ

- کس طرح سیاسی شاطروں نے مسجد کے مقدس نام کو اپنی سیاسی اغراض کیلئے استعمال کیا؟
- بعض ٹوڈی مسلمانوں نے اپنے آقا فرنگی کی خوشنودی اور رضا جوئی کیلئے کس طرح مسجد کا سودا کیا؟
- "اتحادِ ملت" کے بعض رہنمایانِ عظام نے مسجد کے بارے میں بعض اہم دستاویزات اور رازوں کو کس طرح انگریز افسروں کے خندہ ہائے نیم شبی میں گم کر دیا؟
- اور پھر پنجابی مسلمانوں کی حریت پسند تنظیم "مجلسِ احرارِ اسلام" پر مسجد کا ملبہ کس طرح گرایا گیا؟

مسجد کو واگذار کرانے کے لئے چلائی جانیوالی تحریک کے نتیجہ میں لاکھوں مسلمان شہید و زخمی ہوئے ہیں سیکڑوں کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں لیکن مسجد نہ ملنی تھی نہ ملی بلکہ بعد کے حالات نے تو یہ ثابت کیا کہ دراصل ۱۹۳۷ء میں ہونے والے صوبائی خود مختاری کے انتخابات میں فرنگی اپنے پسندیدہ افراد کو کامیاب کرانا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لئے مجلسِ احرار اسلام کو پنجاب میں عوامی تائید و حمایت سے محروم کرنے کے لئے سازش تیار کی گئی اور پھر منصوبہ بندی کے ذریعے مادی وسائل اور پروپیگنڈہ مشینری کو مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا گیا۔ بے وسیلہ احرار محض اخلاص سے اس یلغار کا مقابلہ نہ کر سکے۔ نتیجتہً انگریز اپنے مقاصد میں کافی حد تک کامیاب رہا۔

آج پاکستان کو آزاد ہوئے بیالیس برس ہو چکے ہیں۔ لیکن مسجد شہید گنج آج بھی سکھوں کے قبضہ میں ہے اور پھر لطف کی بات یہ بھی ہے کہ اس سب سے بڑی مسلم مملکت میں مسجد کو سکھوں کی ملکیت تسلیم کیا جاتا ہے ہندوستان سے آنے والے سکھ یاتری پاکستان آکر سرکاری نگرانی میں اس مقام پر اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے ہیں۔ لیکن مسلمان قوم مولانا ظفر علی خان اور پیر جماعت علی شاہ کی روحانی اولاد سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ کیا مسجد شہید گنج اب مسجد نہیں رہی؟ مسلم لیگی، جنہوں نے اُس وقت مسجد شہید گنج کو "کعبہ کی بیٹی" قرار دیکر